ڈاکٹر محمد آصف اعوان
استاد شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی ، فیصل آباد

مرزا حیرت دہلوی کی تصنیف ''چراغ دہلی''

Dr.Muhammad Asif Awan
Department of Urdu,G.C.University Faisalabad.

Mirza Hairat Dehlvi and his book *Charag-e-Dehli*

Mirza Hairat Dehlvi is a great prose writer of twentieth century. His favorite topics are religion, literature and history. The Article is titled as "Mirza Hairat Ke Kitab Charag-e-Dehli Ka Ajmali Wa Tehqiqi Jaiza". The book "Charag-e-Dehli" is a very important document of a particular period of twentieth century. It consists of six chapters, and all the chapters relate to the happenings, taking place in the capital of India i.e. Dehli. A big part of the book discuses the event of 1857 independence war which Mirza Hairat describes as "Ghadar". The article clearly brings to light Mirza Hairat's soft and Considerate attitude towards the English and destitute towards the Muslims who involved themselves in 1857 mutiny.

مرزا حیرت دہلوی (یکم جنوری ۱۸۶۸ء - ۴ مارچ ۱۹۲۸ء) دہلی کے ایک معروف علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ان کا اصل نام محمد امراؤ بیگ تھا تاہم وہ اپنے قلمی نام مرزا حیرت دہلوی کے نام سے زیادہ مشہور ہوئے۔ان کے والد گرامی کا نام مرزا محمد ابراہیم بیگ تھا۔مرزا حیرت دہلوی نے ابتدائی تعلیم دہلی ہی میں حاصل کی۔وہ عربی اور فارسی کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان پر مکمل مہارت رکھتے تھے۔مرزا صاحب کی لیاقت اور علمی مقام و مرتبے کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ۱۹۰۱ء میں قرآن پاک کا اُردو میں ترجمہ کیا جبکہ ان کی عمر اس وقت بتیس یا تینتیس سال تھی۔

مرزا حیرت کے موضوعات میں خاص طور پر مذہب، تاریخ، سوانح نگاری اور ادب کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ وہ شاعر بھی تھے اور صحافی بھی۔ صحافت میں ان کا سب سے اہم کارنامہ ہفت روزہ اخبار ''کرزن گزٹ'' ہے جو ۱۹۱۲ء میں کرزن پریس دہلی سے شائع ہونا شروع ہوا۔ اس اخبار کو عوام میں خاصی مقبولیت اور پذیرائی ملی۔ اگرچہ مرزا حیرت دہلوی کے تراجم و تصانیف کا سلسلہ بہت وسیع ہے تاہم ان کی کتاب ''چراغ دہلی'' کو اس لحاظ سے منفرد حیثیت حاصل ہے کہ اس کتاب میں مرزا حیرت دہلوی نے دہلی شہر کے جغرافیہ، محل وقوع، زبان اور معاصر سیاسی حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ یہاں کی قدیم عمارات سے متعلق معلومات کو اس تفصیل کے ساتھ رقم کیا ہے کہ جس سے یہ کتاب قاری کے لیے دہلی کی تاریخ کے حوالے سے ایک اہم ماخذ ثابت ہوتی ہے۔

راقم کے پیش نظر مرزا حیرت دہلوی کی کتاب ''چراغ دہلی'' کا جو نسخہ ہے اس کی اشاعت اُردو اکادمی دہلی کی طرف سے مارچ ۱۹۸۷ء میں عمل میں آئی۔ کتاب کا دیباچہ اُردو اکادمی دہلی کے چیئرمین خلیق انجم صاحب نے تحریر کیا۔ خلیق انجم اس کتاب کی اوّلین اشاعت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''کتاب چراغ دہلی بہت اہم تصنیف ہے جو کہ کرزن پریس دہلی سے ۱۹۰۳ء میں کرزن پریس دہلی سے شائع ہوئی۔''(۱)

مرزا حیرت دہلوی ۱۸۶۸ء میں پیدا ہوئے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابھی مرزا حیرت کی عمر پینتیس برس تھی کہ جب ان کی یہ تصنیف بعنوان ''چراغ دہلی'' منظر عام پر آئی۔ کتاب کے کل چھ ابواب ہیں تاہم شروع میں ''اُردو کی تاریخ'' کے عنوان سے باون صفحات پر مشتمل ایک طویل شذرہ بھی شامل کتاب ہے۔ راقم کے خیال میں اگر اس طویل شذرہ کو بھی پہلے باب کے طور پر کتاب میں شامل کر لیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا اور یوں کتاب کے ابواب کی تعداد سات ہو جاتی۔

مقصد تصنیف ''چراغ دہلی'':

اس کتاب کی تصنیف سے مرزا حیرت دہلوی کا اصل مقصد ''دہلی کی ایک کامل تاریخ اور جہاں آباد یا شاہجہاں آباد کی ایک زبردست یادگار''(۲) قائم کرنا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے مرزا حیرت دہلوی نے دہلی شہر کے مختلف پہلوؤں کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ اس ضمن میں دہلی کے جغرافیائی حالات، افراد کی تعداد، ذریعہ معاش، انتظامی حالات، ضلع دہلی کی تاریخ، لال قلعہ، شہر کی خاص عمارتیں اور پھر دہلی کی سیاسی تاریخ اور تمدن کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

اُردو کی تاریخ: اُردو کی تاریخ کے عنوان سے مرزا حیرت نے ''اُردو کی اصل'' اور آغاز و ارتقاء کی کہانی بیان کی ہے۔ ان کے خیال میں:

> ''برج بھاشا جو کسی زمانے میں آگرہ، متھرا اور دہلی کے گرد و نواح میں بولی جاتی تھی، اُردو کی مادرِ مہربان ہے۔ صرفی، نحوی طریقے اور کلمات وغیرہ برج بھاشا ہی سے لیے گئے ہیں۔''(۳)

مرزا حیرت کی تحقیق کے مطابق اُردو زبان کا اصل ماخذ برج بھاشا اور ہندی زبانیں ہیں۔(۴) چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ

''جولوگ ہندی کواُردو کی اصل نہیں مانتے وہ سخت غلطی پر ہیں۔''(۵)

ہندستان میں ہندی کا آغاز گیارہویں صدی عیسوی سے ہوا،اس کے اہم نمائندوں میں رامانند،کبیر،سورداس ،کیشو داس ، بہاری لال اور تلسی داس خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ ہندوستان میں اُردو کے علم وادب کے آغاز کا دور سولہویں صدی عیسوی ہے۔مرزا حیرت دہلوی اُردو علم وادب کے حوالے سے مسعودسعد سلمان (۶) کے دیوان کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''گیارہویں صدی کے آخری نصف حصہ میں یا بارہویں صدی کے آغاز میں اس دیوان کی شہرت ہو چکی تھی۔''(۷)

اُردو نثر کی کتابوں میں ''طوطا کہانی''(۸) کو مرزا حیرت نے اُردو زبان کی پہلی تصنیف قرار دیا ہے۔''طوطا کہانی'' کا ماخذ ابن نشاطی کی مثنوی ''طوطی نامہ''(۹) ہے جس کا اصل ماخذ ایک سنسکرت کتاب ''سوکا سب تتی'' ہے۔مرزا حیرت دہلوی نے اُردو کے ابتدائی مصنّفین کے مختصر سوانحی خاکے اوران کے طرزِ اسلوب کے ساتھ ساتھ بعض اہم شعرا مثلاً ولی ظہورالدین خاتم ، میرتقی میر، انعام اللہ خان یقین، میر درد، مرزا محمد رفیع سودا، میر حسن، مرزا غالب اور ذوق ، مصحفی وغیرہ کا نمونہ کلام بھی درج کیا ہے۔

مرزا حیرت کی کتاب ''چراغ دہلی'' کا اصل مقصد دہلی کی معاصر سیاسی وسماجی تاریخ قلم بند کرنا تھا۔ چونکہ زبان کو کسی علاقے کے تاروپود میں بنیادی اہمیت حاصل ہے اس لیے مرزا حیرت نے ضروری سمجھا کہ دہلی میں بولی جانے والی زبان کا احوال بھی مختصر طور پر بیان کر دیا جائے ورنہ ان کے پیش نظر اُردو زبان کی کوئی باقاعدہ تاریخ مرتب کرنا نہیں تھا۔مرزا حیرت لکھتے ہیں کہ:

''اگر میں ہرصدی کی اُردو تصانیف پر رائے دیتا اور جو ترقی اس عزیز زبان نے وقتاً فوقتاً کی ہے،اس کے پورے حالات بیان کرتا تو ایک ضخیم کتاب بن جاتی اور پھر اصل مطلب فوت ہو جاتا۔''(۱۰)

پہلا باب: ۱۸۵۷ء کی بغاوت

پہلے باب کا عنوان ''۱۸۵۷ء کی بغاوت'' ہے۔اس باب میں مرزا حیرت دہلوی نے ان تمام محرکات کو با التفصیل درج کیا ہے جو ۱۸۵۷ء کی بغاوت کا باعث بنے۔مرزا حیرت کے نزدیک ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی فسادیوں کے شر کا شاخسانہ تھی۔کارتوسوں پر سوراور گائے کی چربی کی افواہ محض ایک خیال فاسد تھا۔تاہم انگریز افسران کی ہر طرح کی یقین دہائی اور صفائی کے باوجود یہی افواہ آخر بغاوت کا باعث بنی۔بغاوت کا آغاز ۴ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ سے ہوا۔کئی ایک انگریز افسروں،عورتوں اور بچوں کو قتل کیا گیا۔۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو جب باغی دہلی میں داخل ہوئے تو ایک کہرام مچ گیا۔ بہت سے انگریز افسران لقمہ اجل بنے۔خوف اور دہشت کا یہ عالم تھا کہ بے شمار انگریز مردوں،عورتوں اور بچوں نے دہلی سے فرار ہو کر مختلف علاقوں میں ہجرت کرنا چاہی مگر بہت سے لوگ راستے کی تکالیف اور صعوبتوں سے جانبر نہ ہو سکے۔

مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں:

''بیچاری ناز پروردہ اور میموں کو جنہوں نے گھر سے باہر قدم بھی نہ رکھا تھا، منزلوں بھوکی پیاسی اور برہنہ پا چلتی ہوئی، دھوپ میں افتاں و خیزاں چلنا پڑا۔ لٹیروں اور قزاقوں نے بدن پر ایک چیتھڑا تک نہ رکھا۔ نقدی اور زیور کا کیا ذکر ہے کوئی جگہ ایسی نہ رہی کہ جہاں کوئی انگریز دم بھر چین اور آرام لے سکے۔ جہاں کہیں وہ تھکے ماندے اور شکستہ حال پناہ کے خواہش گار ہوتے تھے، وہیں سے لوگ باغیوں کے خوف سے انہیں نکال دیتے تھے۔''(۱۱)

درج بالا سطور سے یہ امر متبادر ہوتا ہے کہ مرزا حیرت دہلوی ان مقامی لوگوں کو جنہوں نے انگریزوں کے خلاف سرکشی کی، برخود غلط اور باغی تصور کرتے تھے۔ ان کے خیال میں کارتوسوں پر سور یا گائے کی چربی کا چڑھا ہونا محض ایک افواہ تھی۔ انگریز افسران نے اگرچہ ہر ممکن طریقے سے اس افواہ کے سدباب کے لیے اقدام کئے اور ناراض سپاہیوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر فسادیوں کی انگریزوں کے خلاف نفرت اور معاندانہ رویے نے اس افواہ کو بے جا طور پر ہوا دی۔ حالات و واقعات کے اس نوع کے تجزیے سے مرزا حیرت دہلوی کی انگریز بہادر کے لیے مکمل ہمدردی اور دل گدازی کا احساس ہوتا ہے۔ وہ ۱۸۵۷ء کے واقعے میں ہلاک ہونے والے کو انگریزوں کو معصوم اور اس واقعے میں شامل ہونے والوں کو نمک حرام قرار دیتے ہیں۔(۱۲)

دوسرا باب: واقعاتِ دہلی؛ دہلی کا روزنامچہ ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء سے ۲۰ مئی ۱۸۵۷ء عیسوی تک

(منقل از روزنامچہ چنی لال مخبر)

دوسرا باب چنی لال مخبر کے روزنامچے پر مشتمل ہے۔ دہلی میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات سے متعلق یہ روزنامچہ ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء سے لے کر ۲۰ مئی ۱۸۵۷ء تک کے ایام کی روداد پر مشتمل ہے۔ اس روزنامچہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب باغی دہلی میں داخل ہوئے تو انہوں نے انگریزوں کو کس بے رحمی سے قتل کیا، کس طرح ان پر زمین تنگ کر دی گئی اور اعلان کیا گیا کہ ''جس کسی کے گھر میں کوئی عیسائی پوشیدہ ہوگا اس کو سزا سنگین ہوگی۔(۱۳) تاہم اس نہایت سخت تنبیہ کے باوجود ایسے واقعات سامنے آئے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں نے انگریزوں کو اپنے گھروں میں پناہ دی مثلاً مرزا حیرت دہلوی چنی لال مخبر کے روزنامچے سے یہ واقعہ نکل کرتے ہیں کہ:

''دو انگریز اور تین میموں اور ایک لڑکا نتھو درزی کے گھر پوشیدہ تھے باغی سوار یہ سن کر ان کو گرفتار کر لائے اور درزی کا گھر جلا دیا۔ بادشاہ نے ان قیدیوں کو سپاہیوں کی حوالات میں رکھا۔''(۱۴)

اس قسم کے واقعات نقل کرنے سے مرزا حیرت کا غالباً مقصد یہ ہے کہ ایسے شواہد اکٹھے کئے جائیں جن سے یہ واضح ہو سکے کہ انگریزوں کے خلاف بغاوت قوت و طاقت سے لیس محض چند ایسے سرپھرے سرکش لوگوں کا فعل تھا جنہوں نے بادشاہ وقت کو بھی ''طوعاً و کرہاً'' اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ مگر عوام بغاوت و سرکشی کے اس اقدام میں شریک نہ تھے۔ یہی وجہ

ہے کہ عوام نے نہایت سخت تنبیہ و تادیب کے باوجود جہاں تک ہو سکا، انگریزوں کو باغیوں کے ظلم سے بچانے کے لیے انہیں اپنے یہاں پناہ دی یہاں تک کہ اس جرم کی پاداش میں انہیں خود بھی سرکشوں کے عتاب کا سامنا کرنا پڑا۔

تیسرا باب: محاصرہ دہلی

دہلی شہر مکمل طور پر مقامی ہندستانی فوج کے کنٹرول میں تھا۔ ان حالات میں انگریزوں نے انبالہ اور میرٹھ سے اپنی وفادار تازہ دم فوج کو مختلف دستوں میں تقسیم کر کے دہلی کی جانب روانہ کیا۔ جیسے ہی انگریزی افواج کے دستے دہلی کے قرب و جوار میں پہنچے۔ ان کا سامنا باغی افواج کے ساتھ ہونا شروع ہوا تاہم انگریزی فوج باغیوں کو شکست دے کر آگے بڑھتی گئی یہاں تک کہ ''عین دہلی کے سامنے اس اونچی زمین پر جو پہاڑی کے نام سے مشہور ہوئی ہے، ۸ جون کی شام کو انگریزی فوج نے قیام کیا اور اس روز سے لے کے تاریخ فتح دہلی وہاں سے نہ ہٹی۔ اب گویا محاصرہ دہلی شروع ہوا۔''(۱۵)

مرزا حیرت دہلوی نے دہلی کے دروازوں، کھڑکیوں اور برجوں کی تفصیلات نہایت شرح وبسط سے رقم کی ہیں تا کہ معلوم ہو سکے کہ دہلی کے اندر مقامی فوج اور دہلی کا محاصرہ کئے ہوئے انگریزی فوج کی ایک دوسرے کے مقابلے میں کیا پوزیشن تھی۔ تیسرے باب میں مرزا حیرت نے انگریزی فوج کے دہلی کے محاصرہ اور اس کے مقامی فوج سے مڈبھیڑ کے روزانہ کے حالات قلم بند کئے ہیں اور بتایا ہے کہ دہلی کے محاصرہ کے دوران میں کئی دفعہ مقامی فوج انگریزی لشکر پر حملہ آور ہوئے تاہم انہیں ہر دفعہ ہزیمت اٹھانا پڑی۔ اس باب میں بھی مرزا حیرت نے مقامی باغی افواج سے اپنی شدید نفرت اور انگریزوں سے مکمل ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''چونکہ نمک حرام اور باغی کبھی سرسبز نہیں ہوتے، اس لیے ۱۸۵۷ء کی انگریزی باغی فوج کو بھی بے دریغ شکست ملی۔ جو کچھ انہوں نے معصوم بچوں اور میموں پر ظلم کئے وہ ان کے آگے آئے۔''(۱۶)

آخر:

> ''انگریزی فوجی شہر میں داخل ہوئے اور محل سلیم گڑھ اور شہر کے خاص مقاموں پر گولہ باری شروع کی۔ باغی خوب قدم جما کر لڑے اور انگریزی فوج کا بہت نقصان ہوا۔ بالخصوص افسر بہت کام آئے لیکن اس پر بھی فتح مندی انگریزوں ہی کے نام رہی۔''(۱۷)

۲۱ ستمبر کو میجر ہاڈن نے بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو ہمایوں کے مقبرے سے گرفتار کیا، شاہ پر مقدمہ کی کاروائی ہوئی جس میں انہیں مفسد اور قاتل قرار دیا گیا ''اور انہیں مع دو بیبیوں اور شاہزادہ جواں بخت کو رنگون بھیج دیا گیا جہاں وہ ۷ نومبر ۱۸۶۲ء میں نواسی سال کے ہو کے انتقال کر گئے۔''(۱۸)

چوتھا باب: مقدمہ بہادر شاہ ظفر

جب بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر لیا گیا تو اس پر بغاوت کے علاوہ انگریز مردوں، عورتوں اور بچوں کے قتل کا مقدمہ چلایا گیا اور اس ضمن میں انگریزی فوجی کمیشن کی کاروائی عمل میں آئی۔ مرزا حیرت دہلوی کی کتاب ''چراغ دہلی'' کا

چوتھا باب اسی کاروائی کی روداد پر مشتمل ہے۔اس کاروائی کی روداد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزی فوجی کمیشن کی طرف سے بہادر شاہ ظفر پر مقدمہ کی کاروائی کا آغاز ۲۷ جنوری ۱۸۵۷ء سے ہوا۔اکیس روز تک مقدمہ کی کاروائی جاری رہی۔ اس دوران میں بہت سی شہادتیں قلم بند ہوئیں۔کاروائی کے اکیسویں روز بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا جواب دعویٰ انگریزی فوجی کمیشن کے روبرو پیش کیا گیا اور اسے جج ایڈووکیٹ نے پڑھ کر سنایا۔اس جواب دعویٰ میں بہادر شاہ ظفر نے اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کی تردید کی اور ایک انگریز افسر کے قتل کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہا کہ:

''باوجود اس امر کی شہادت کے کہ مسٹر فریزر اور کمانڈنٹ کارڈ کے قتل میں میرے ملازم شریک تھے میں یہی جواب دوں گا کہ میں نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا۔اگر انہوں نے ایسا کیا ہوگا تو اپنی مرضی سے کیا ہوگا۔ مجھے نہ اس کا علم ہوا، نہ اطلاع ملی۔ میں خدا کو گواہ کر کے حلفیہ کہتا ہوں میں نے فریزر صاحب اور انگریزوں کے قتل کے لیے کبھی کوئی حکم نہیں دیا۔''(۱۹)

بہادر شاہ ظفر نے اپنے جواب دعویٰ میں اس امر کا بار بار اظہار کیا ہے کہ باغی فوجی ان کے قابو میں نہ تھے اور یہ کہ وہ ان کے سامنے بالکل بے بس تھے۔ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

''باغی فوجی کی یہ حالت تھی کہ اس نے کبھی مجھے سلام تک نہیں کیا اور نہ میرا کبھی ادب کیا۔وہ جوتیاں پہنے دربار خاص اور دارالریاضت میں پھرا کرتے تھے۔جس حالت میں کہ انہوں نے اپنے آقاؤں کو قتل کیا، میں کیوں کر ان پر بھروسہ کر سکتا تھا۔جس طرح انہوں نے انہیں قتل کیا، اسی طرح مجھے قید کیا، مجھ پر ظلم کئے ، اپنی حراست میں رکھا اور میرا نام کرنے کے لیے جو چاہا میرے نام سے کیا جب انہوں نے اپنے افسروں اور بااختیار حاکموں کو قتل کر ڈالا۔میں بلا فوج وخزانہ اور بغیر گولہ بارود کیوں کر انکا انسداد کر سکتا اور مخالفت کر سکتا تھا۔میں سپاہیوں کے بس میں تھا جو کچھ چاہا انہوں نے مجھ سے کرایا۔جب یہ رسالے بھاگنے شروع ہوئے تو میں بھی موقع پا کر کھڑکی کی راہ سے نکل کر ہمایوں کے مقبرے میں جا ٹھہرا۔وہاں جب مجھے یہ حکم ملا کہ تمہاری جان بخشی کی جاتی ہے تو میں اسی وقت سرکاری حفاظت میں آ گیا۔باغیوں نے تو مجھے اپنے ہمراہ لے جانا چاہا تھا مگر میں نہیں گیا۔''(۲۰)

اپنے جواب دعویٰ کے آخر میں بہادر شاہ ظفر لکھتا ہے:

''اس بات کو خدا جانتا ہے کہ اور وہی میرا گواہ ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔''(۲۱)

بہادر شاہ ظفر کا جواب دعویٰ پڑھے جانے کے بعد جج ایڈوکیٹ نے اس جواب دعویٰ پر طویل بحث کی۔مرزا حیرت دہلوی نے اس بحث کا مکمل متن نقل کیا ہے۔جج ایڈووکیٹ کی بحث سے اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ جج ایڈووکیٹ بہادر شاہ ظفر کی طرف سے پیش کئے جانے والے جواب دعویٰ کے متن سے مطمئن نہیں چنانچہ وہ بہادر شاہ ظفر کی طرف سے بے بسی کے عذر پر اپنی برہمی کا اظہار ہوں کرتا ہے:

''اگر بادشاہ کے اختیارات واقعی اس کے ملازموں نے بالائے طاق رکھ دیئے تھے تو دوبارہ با اختیار

ہونے کے لئے سب سے قوی دلیل یہ تھی کہ اس کو فوراً ملزموں کو سزا دینا چاہیے تھا۔ یہ تو ہمیں معلوم ہو گیا کاروائی نہیں کی گئی اور ہم اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اگر اس نے اپنے ان افعال پر اپنے ملازموں کو ترغیب نہیں دی تھی تو بھی اس کی پہلے سے یہی خواہش تھی اور اس کے ثبوت میں ہم یہ کہتے ہیں کہ کوئی غلام نہ تو برخواست ہوا اور نہ اس کی کوئی تحقیقات یا تفتیش کبھی ہوئی۔ گواہ کا بیان ہے کہ بادشاہ قاتلوں کو برابر تنخواہ دیتا رہا اور ان کو اپنی ملازمت میں رکھا اور واقعی یہ خبر اس وقت ہم نے ایک اخبار میں پڑھی۔''(۲۲)

جج ایڈووکیٹ نے بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے خلاف نہایت تند و تلخ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا:

''اس نمک حرام نے اس فیاضی کا جو انگریزی گورنمنٹ نے لاکھوں پونڈ سے اس کے اور اس کے خاندان کے کے ساتھ کی، یہ بدلہ دیا۔ جیسا کہ ایک گواہ نے بیان کیا ہے'' اس کے ملازمین کے زنان خانوں میں اتنی گنجائش تھی کہ میمیں اور بچے با آسائش رہ سکتے'' اور گواہ نے یہ بھی بیان کیا'' جہاں ایسے چور خانے تھے کہ اگر پانچ سو آدمی اس میں چھپ جاتے تو اور باغی زنان خانوں کی تلاشی بھی لینا چاہتے تو ان کا پتہ نہ چلتا'' اور بقول ایک اور گواہ کے کہ'' قلعہ میں اس قدر وافر جگہ تھی جس میں اگر عورتیں اور بچے رکھے جاتے تو ان کو ہر طرح کی آسائش پہنچتی'' مگر اس احسان فراموش نے ان لوگوں کے لیے جو جگہ تجویز کی جہاں گناہ گار اور مجرم رکھے جاتے ہیں اور جہاں انہوں نے مجرموں سے بھی بدتر سہے کیونکہ اول تو یہ چھوٹی سی جگہ ان کی تعداد کے لیے کافی نہ تھی دوسرے کس و ناکس کے ظلم و گستاخی کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔''(۲۳)

مرزا حیرت نے انگریزی فوجی کمیشن کے روبرو بہادر شاہ ظفر کے مقدمہ کی کاروائی کو دو سو چھ صفحات پر مکمل کیا ہے۔ کاروائی کا مکمل احوال درج کرنے کے بعد مرزا حیرت اس مقدمہ کے حوالے سے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا یہ خیال ہے کہ مقدمہ کی مکمل کاروائی کو سامنے رکھتے ہوئے نہایت افسوس سے اس امر کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یقیناً بہادر شاہ ظفر نے انگریزوں کے خلاف باغیوں کا ساتھ دیا اور انگریز مرد و زن اور بچوں کے قتل میں بھی ان کی پوری معاونت کی۔ مرزا حیرت کے خیال میں بہادر شاہ ظفر نے باغیوں کا ساتھ اس لیے دیا کہ جب بغاوت کا آغاز ہوا تو بادشاہ کو انگریزوں کی صحیح قوت کا اندازہ نہیں تھا۔ اس کا یہی خیال تھا کہ انگریزوں کے پاس اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ اس بغاوت کا سر کچل سکیں لہٰذا کچھ ہی دیر میں گورے مغلوب ہو جائیں گے اور سارے ہندستان میں اس کی حکومت قائم ہو جائے گی لیکن ظاہر ہے کہ انگریزوں کی طاقت کے حوالے سے بادشاہ کا اندازہ درست نہ تھا چنانچہ بقول مرزا حیرت'' جو کچھ خدا کو منظور تھا وہ ہوا۔''(۲۴)

بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے جواب دعویٰ پر بحث کرتے ہوئے جج ایڈووکیٹ نے بادشاہ کے خلاف نہایت سخت اور تند و تیز لہجہ اختیار کیا۔ مرزا حیرت جج ایڈووکیٹ کی اس ترش مزاجی کا جواز یوں پیش کرتے ہیں:

''خاص قلعہ میں عورتوں اور بچوں کا قتل واقعی ایک ایسا نا قابل معافی اور غیر رحمانہ فعل ہے کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی۔ اس وجہ سے جج ایڈووکیٹ نے اپنے ایڈریس میں بہادر شاہ ظفر اور مسلمانوں کی نسبت نہایت درشت الفاظ کا استعمال کیا اور یہ ایک فطری امر ہے کہ حالت میں طیش اور غضب کی یہی حالت ہو جاتی ہے۔''(۲۵)

پانچواں باب: ''آثار الصنادید''

مرزا حیرت پانچویں باب کا آغاز درج ذیل شعر سے کرتے ہیں:

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدیدست صنادید عجم را

''پرانے در و دیوار کے نقش و نگار سے عجم کے بادشاہ کے آثار نمایاں ہوتے ہیں''

اسی شعر کو سر سید احمد خان (۱۸۱۷ء- ۱۸۹۸ء) نے بھی اپنی کتاب آثار الصنادید کے شروع میں درج کیا ہے۔(۲۶) سر سید کی کتاب ''آثار الصنادید'' کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصے میں دہلی کی پرانی عمارات کا تذکرہ ہے، دوسرا حصہ دہلی کے لوگوں کے بیان پر مشتمل ہے۔ جب کہ تیسرے حصے میں دہلی کی قدیم عمارات کی نایاب تصاویر مختلف کتبوں پر کی گئی خطاطی کے نمونے اور حواشی و مآخذ شامل ہیں۔ مرزا حیرت دہلوی نے اپنی کتاب ''چراغ دہلی'' کے پانچویں باب کا نام سر سید احمد خان ہی کی کتاب کے نام پر ''آثار الصنادید'' رکھا ہے۔ اس باب میں مرزا حیرت نے صرف دہلی کی پرانی عمارات سے متعلق معلومات کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ پرانی عمارتوں کے تذکرہ پر مشتمل پانچواں باب تین سو اکیس صفحہ سے لے کر صفحہ نمبر چار سو چالیس تک کل ایک سو چھیالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس طویل باب میں مرزا حیرت دہلوی نے دہلی میں موجود قدیم قلعوں، مقبروں، درگاہوں، اور مساجد کا ذکر کیا ہے اور ان میں سے اکثر عمارات کی تصاویر بھی اس باب میں شامل کی ہیں۔

بعض عنوانات کی تفصیل بیان کرنے کے لیے انہیں ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے مثلاً جامع مسجد دہلی کی عمارت کا پورا نقشہ بیان کرنے کے لیے ''کتب دراول از طرف شمال'' سے لے کر ''کتبہ در پنجم'' اور ''کتبہ در ہفتم'' سے لے کر ''کتبہ دریازدہم'' تک دس ذیلی عنوانات قائم کئے ہیں۔ اسی طرح ''سنہری مسجد'' کے عنوان کو بھی ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مرزا حیرت دہلوی نے عمارات کی دیواروں پر کندہ فارسی اشعار کو بھی جا بجا نقل کیا ہے۔ علاوہ ازیں وہ مختلف عمارتوں سے متعلق جزئیات نگاری کے ساتھ ساتھ تاریخی حوالے سے بعض ایسی تفصیلات کا بھی ذکر کرتے ہیں جن سے قاری کی معلومات میں معتد بہ اضافہ ہوتا ہے مثلاً ''سنہری مسجد'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:

''جب مارچ ۱۸۳۹ء میں نادر شاہ نے دہلی میں قتل عام کا حکم دیا تھا تو وہ اسی مسجد میں آ کے بیٹھا تھا۔''(۲۷)

مرزا حیرت نے اپنی کتاب ''چراغ دہلی'' کے پانچویں باب میں '' آثار الصنادید'' میں درج ذیل اہم عمارات کا ذکر کیا ہے:

لال قلعہ، ص ۳۲۱	جامع مسجد، ص ۳۳۴
سنہری مسجد، ص ۳۴۹	فخر المساجد، ۳۵۴
جواد خان کی سنہری مسجد، ص ۳۵۹	زینت المساجد، ص ۳۶۱
روشن الدولہ کی سنہری مسجد، ص ۳۶۱	اولیاء مسجد، ص ۳۶۴
مسجد سید رفائی صاحب، ص ۳۶۶	کالی مسجد، ص ۳۶۷
بیگم پور کی مسجد، ص ۴۱۰	رضیہ سلطانہ کا مزار، ص ۳۶۶
نیلی چھتری، ص ۳۸۶	ہمایوں کا مقبرہ، ص ۳۸۸
خان خاناں کا مقبرہ، ص ۳۸۹	تگہ خان کا مقبرہ، ص ۳۹۴
عیسیٰ خان کا مقبرہ، ص ۳۹۴	چوسٹھ کھمبا، ص ۳۹۵
بارہ پلہ کا پل، ص ۳۹۰	حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ، ص ۳۹۵
خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ، ص ۴۲۹	
عرب سرائے، ص ۳۹۲	عیسیٰ خان کا کوٹلہ، ص ۳۹۲
لال محل، ص ۳۹۳	جنتر منتر کی عمارت، ص ۴۰۷
سرکاری ڈاکخانہ، ص ۳۵۶	محل مردان علی خان، ص ۳۵۶
کرنیل جیمس اسکنر کا گرجا گھر، ص ۳۵۶	
مبارک شاہ کا مقبرہ، ص ۴۰۵	کربلا، ص ۴۰۸

چھٹا باب

۱۹۰۳ء میں شہنشاہ انگلستان کی رسم تاج پوشی کا انعقاد دہلی میں ہوا۔ یہ دہلی کی تاریخ کا نہایت اہم واقعہ تھا۔ مرزا حیرت نے اس موقع کے حالات وواقعات کو قلم بند کر کے انہیں ہمیشہ کے لیے تاریخ کا حصہ بنا دیا ہے۔ مرزا حیرت چھٹے باب کا آغاز ان الفاظ سے کرتے ہیں:

> ''دربار شاہی کی رسم ادا کرنے کا ارادہ نومبر ۱۹۰۱ء میں ظاہر کیا گیا تھا۔ اس موقع پر مخصوص والیان ریاست کے نام نویدی اشتہار ولایت کے جلسہ تاج پوشی میں شرکت کی غرض سے شائع ہوئے تھے اور ساتھ ہی یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ جو رئیس ولایت کی تاج پوشی کے جلسہ میں شریک نہ ہو سکیں گے ان کی وفاداری کی پڑتال کے لیے ولایت کے جلسہ کے بعد ہندستان میں بھی رسم تاج پوشی ادا کی جائے گی۔ فروری ۱۹۰۲ء کے گزٹ آف انڈیا میں اس جلسہ کے لیے دہلی منتخب ہوئی۔ یکم جنوری ۱۹۰۳ء انعقاد کی

تاریخ قرار پائی۔''(۲۸)

شہنشاہی دربار دہلی کے انعقاد کے لیے بہت وسیع پیمانے پر تیاریاں کی گئیں۔مرزا حیرت نے اس حوالے سے تمام تفصیلات کونہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے مثلاً والیان ریاست کی دہلی میں آمد، دربار شاہی کا جلوس، جلوس میں شامل شاہی مہمانان گرامی، ان کی سواریوں اور جلوس کے راستے کی تفصیلات، جلوس کی نگرانی اور حفاظت کے انتظامات اور پھر اس جلاس کے استقبال کے حوالے سے لوگوں کا بے پناہ جوش وجذبہ وغیرہ۔ایک جگہ مرزا حیرت لکھتے ہیں:

''جلوس کی شان وشوکت جس قدر تھی اسی قدر ترتیب وجوش تھا۔شہزادے، شہزادی پر مبارک بادوں کی بھر مار تھی اوران کے قائم مقامان خاندان شاہی کے پیشتر ہندوستان میں رہ جانے کی وجہ سے باشندگان کواس موقع پران کے ساتھ اور بھی دلچسپی تھی۔قریباً دو گھنٹے کے بعد جلوس شہر کے باہر پہنچا اور وہاں سے منتشر ہو کراپنے اپنے کیمپوں میں جا پہنچا۔''(۲۹)

دربار شاہی کے موقع پر دہلی شہر کو دلہن کی طرح سجایا گیا۔تمام شہر میں روشنی کا انتظام کیا گیا آتش بازی کے مظاہرے ہوئے، ہتھیاروں کے کرتب دکھائے گئے۔مختلف کھیلوں مثلاً پولو اور فٹ بال وغیرہ کے مقابلے منعقد ہوئے۔ وائسرائے نے کھلاڑیوں میں انعامات بھی تقسیم کئے۔باہر سے آنے والے افراد کے لیے ہزاروں خیمے نسب کئے گئے۔آب رسانی کے لیے ۷۲ حوض اور ۴۵ کنویں تعمیر کئے گئے۔دربار کے لئے ایک عارضی نقرئی وسنہری چبوترہ تیار کیا گیا۔جہاں تک اس جشن کی تشہیر کا تعلق ہے مرزا حیرت کہتے ہیں کہ:

''اس جشن کی مکمل، فوری اور سچی خبریں تمام دنیا میں مشہور کرنے کے لیے ولایت اور ہندوستان کے بڑے بڑے اخباروں کو اپنے اپنے اڈیٹر دربار میں بھیجنے کے لے کہا گیا تھا اور علاوہ ان کے جن اخبار والوں نے شرکت کی درخواست کی انہیں بھی اجازت دی گئی اوران لوگوں کے ذریعے سے ہر قریب وبعید مقام پر اس جشن فیروزی کی خبریں جابجا پھیل گئیں۔''(۳۰)

دربار شاہی کی تقریبات یکم جنوری ۱۹۰۳ء سے لے کر ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء تک دس روز تک جاری رہیں۔مرزا حیرت نے چھٹے باب میں وائسرائے لارڈ کرزن بہادر کی اسپیچ کے علاوہ فرمان شاہی کے متن کو بھی شامل کیا ہے اوراس باب میں مختلف صوبوں اور ریاستوں سے آنے والی ان اہم شخصیات کی ایک طویل فہرست دی ہے جنہوں نے شاہی دربار دہلی میں شرکت کی۔

خاتمہ کتاب: مرزا حیرت دہلوی اپنی کتاب ''چراغ دہلی'' کے اختتام پر ''خاتمہء کتاب'' کے عنوان سے اس کتاب پر اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''مجھ سے جہاں تک ہوسکا میں نے اس کتاب کے ترتیب دینے میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔یہ کام جو ایک سال کے عرصہ میں بھلا برا انجام کو پہنچ گیا، حقیقت میں کئی سال کا تھا۔علاوہ اورابواب کے صرف ''آثار الصنادید'' ہی کا ایک باب ہے جو ایک مدت چاہتا تھا اور آسان نہیں ہے کہ چند مہینے میں

کوئی اس کی تکمیل کر لے۔اسی طرح جتنے باب ہیں اور جس تحقیق سے لکھے گئے ہیں اس کو ناظر کتاب خود جانچے گا باقی میں نے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔''(۳۱)

اگر چہ مرزا حیرت دہلوی اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب ''چراغ دہلی''میں موجود مندرجات ''تحقیق سے لکھے ہیں'' تاہم اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری کو یہ احساس بار بار ہوتا ہے کہ مصنف نے تحقیق کے کئی ایک تقاضے ہیں جو پورے نہیں کئے مثلاً ''چراغ دہلی'' کا دوسرا باب بعنوان ''واقعاتِ دہلی'' کے بارے میں یہ تو بتایا گیا ہے کہ یہ باب چنی لال مخبر کے روزنامچہ سے منقول ہے تاہم باب کے مندرجات سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ مرزا حیرت نے چنی لال مخبر کے روزنامچے سے ہو بہو نقل کئے ہیں یا مذکورہ روزنامچے سے آگاہ ہو کر انہیں اپنے الفاظ میں اس باب میں رقم کیا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ چنی لال کون ہے؟ اگر یہ مخبر ہے تو کس طرف سے مخبر ہے؟ مصنف کتاب کو چاہیے تھا کہ وہ پاورق میں معلومات درج کر کے قاری کو اپنے اعتماد میں لیتا تا کہ قاری کو واقعات سمجھنے اور ان کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے میں سہولت ہوتی۔ چوتھا باب ''چراغ دہلی'' کا سب سے طویل باب ہے جو ۲۰۷ صفحات پر مشتمل ہے۔اس باب میں مصنف نے بہادر شاہ ظفر کے مقدمے کے سلسلے میں انگریزی فوجی کمیشن کی کاروائی کو نقل کیا ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کاروائی کی تحریر مصنف کی ہے یا اس نے ہو بہو کسی سے اس تحریر کو نقل کیا ہے یا پھر سرکاری کاغذات سے انگریزی عبارات کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس نوعیت کے سوالات قاری کے ذہن میں اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب وہ اس باب کے آخر میں پچاس صفحات پر مشتمل جج ایڈوکیٹ کے طویل بیان کا مطالعہ کرتا ہے۔

مرزا حیرت کی کتاب ''چراغ دہلی'' میں بہت سے ایسے مقامات بھی ہیں کہ جہاں قاری کو کتاب میں پیش کیے گئے مواد کے مستند ہونے پر بھی شک گزرتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف مختلف لوگوں کے نام سے ان کے بیانات کو کتاب میں شامل تو کر دیتا ہے مگر اس کا کوئی حوالہ یا سند پیش نہیں کرتا مثلاً دربار شاہی کے موقع پر مختلف راجاؤں اور بیگم بھوپال کے نام پر ایسے بیانات جن میں ان کی طرف سے سلطنت برطانیہ کے لیے وفاداری اور اطاعت کا ذکر ہے، اسی ذیل میں آتے ہیں۔

مرزا حیرت کی کتاب ''چراغ دہلی'' کے پہلے چار ابواب دہلی میں پیش آمدہ ۱۸۵۷ء کے جنگی واقعات کے حوالے سے ہیں جبکہ پانچویں باب ''آثار الصنادید'' میں دہلی کی عمارات کا تذکرہ ہے۔اس سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ اس کتاب کو لکھتے ہوئے مصنف موصوف کے پیش نظر اپنے پیش رو سرسید احمد خان کی دو کتابیں ''تاریخ سرکشی ضلع بجنور ''اور'' آثار الصنادید'' ہیں اور مصنف نے انہیں کتابوں کی طرز پر اپنی کتاب ''چراغ دہلی'' کے پہلے چار ابواب دراصل ''تاریخ سرکشی ضلع دہلی'' رقم کی ہے جبکہ پانچویں باب کا عنوان سرسید ہی کی کتاب کے عنوان پر ''آثار الصنادید'' رکھا اور اس باب میں دہلی کی قدیم عمارات کے حوالے سے بیش قیمت معلومات درج کی ہیں۔

مرزا حیرت کی کتاب ''چراغ دہلی'' کی زبان و بیان بھی بہت حد تک سرسید کی تحریروں سے ملتی جلتی ہے۔سرسید

نے تاریخ ''سرکشی ضلع بجنور'' میں انگریزوں کے خلاف ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ برپا کرنے والوں کے لیے نہ صرف نمک حرام ،تلنگے اور فسادی کے الفاظ استعمال کئے ہیں بلکہ وہ سرکار انگریزی کے خلاف ہتھیار اٹھانے والوں کے لیے بدمعاش اور حرام زادے کے الفاظ استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے۔(۳۲)

سرسید ہی کی پیروی کرتے ہوئے مرزا حیرت دہلوی نے ''چراغ دہلی'' میں سرکار انگریزی کے خلاف جنگ کرنے والے فوجیوں کے لیے نمک حرام، فسادی اور تلنگے وغیرہ کے الفاظ کا بے دریغ استعمال کیا ہے۔کتاب کی ایک ایک سطر سے مرزا حیرت دہلوی کی انگریز سرکار کے لیے طرف داری، وفاداری اور جاں گدازی کا احساس ہوتا ہے اور خاص طور پر کتاب کے آخری باب ''شہنشاہی دربار شاہی'' میں دربار شاہی کے واقعات کو مرزا حیرت دہلوی نے جس والہانہ جوش وخرش، محبت اور عقیدت کے ساتھ رقم کیا ہے اس سے قاری کے لیے مصنف کے رجحان طبع اور میلان قلبی کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ حیرت دہلوی، مرزا، ''چراغ دہلی''، دہلی: اُردو اکادمی، ۱۹۸۷، پیش لفظ

۲۔ ایضاً، ص ۳۷

۳۔ ایضاً، ص ا

۴۔ محسوس یہ ہوتا ہے کہ مرزا حیرت اُردو زبان کے ماخذ کے حوالے سے مولانہ محمد حسین آزاد کے مقلد ہیں۔مولانہ آزاد اپنی کتاب ''آب حیات'' کا آغاز ہی اس جملے سے کرتے ہیں کہ:

''اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری زبان اُردو برج بھاشا سے نکلی ہے اور برج بھاشا خاص ہندستانی بھاشا ہے۔''

(محمد حسین آزاد، مولانا، ''آب حیات'' لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ۲۰۰۹ء، ص ۱۰)

۵۔ حیرت دہلوی، مرزا، ''چراغ دہلی''، ص ۲

۶۔ مرزا حیرت دہلوی نے اپنی کتاب ''چراغ دہلی'' میں مسعود سعد سلمان کی بجائے مسعود پسر سعد لکھا ہے۔حوالہ کے لیے دیکھئے مذکورہ کتاب کا صفحہ نمبر ۱۳

۷۔ حیرت دہلوی، مرزا، ''چراغ دہلی''، ص ۱۳

۸۔ یہ حیدر بخش حیدری کی کتاب ہے۔مرزا حیرت دہلوی نے لفظ ''طوطا'' کو ''ط'' سے لکھا ہے جب کہ حیدر بخش حیدری نے ''طوطا'' کی املا ''ط'' کی بجائے ''ت'' سے کی ہے اور بہر حال اس کتاب کا اصل عنوان ہے ''طوطا کہانی''، اس کتاب کو مجلس ترقی ادب لاہور نے اکتوبر ۱۹۶۳ء میں شائع کیا۔

۹۔ مرزا حیرت دہلوی نے حیدر بخش حیدری کی کتاب ''تو تا کہانی'' کو ابن نشاتی کی کتاب ''طوطی نامہ'' سے ماخوذ قرار دیا ہے حالانکہ ''طوطی نامہ'' بھی طبع زاد مثنوی نہیں ہے بلکہ اس کا ماخذ سنسکرت کی کتاب ''شک سپ تتی'' ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ''تو تا کہانی'' ہو یا ابن نشاطی کی مثنوی ''طوطی نامہ'' ہو، دونوں کا ماخذ سنسکرت کی کتاب ''شک سپ تتی'' ہے۔اس حوالے سے محمد اسماعیل پانی پتی رقم طراز ہیں:

'' 'طوطا کہانی' کی اصل سنسکرت کی کتاب 'شک سپ تتی' ہے۔اس کے معنی ہیں 'طوطے کی کہی ہوئی ستر کہانیاں'۔''

(محمد اسماعیل پانی پتی،مقدمہ:''طوطا کہانی''،مصنفہ: حیدر بخش حیدری، لاہور: مجلس ترقی ادب (طبع اول)،۱۹۶۳ء،ص۔۲)

محمد اسماعیل پانی پتی کے بیان سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ حیدر بخش حیدری کی کتاب ''تو تا کہانی'' کا اصل ماخذ ''طوطی نامہ'' نہیں بلکہ سنسکرت کی کتاب ''شک سپ تتی'' ہے

۱۰۔ حیرت دہلوی، مرزا، ''چراغ دہلی''، ص ۳۶

۱۱۔ ایضاً، ص ۶۸ ۱۲۔ ایضاً، ص ۵۲

۱۳۔ ایضاً، ص ۷۱ ۱۴۔ ایضاً، ص ۷۹

۱۵۔ ایضاً، ص ۸۹، ۹۱ ۱۶۔ ایضاً، ص ۱۱۰

۱۷۔ ایضاً ۱۸۔ ایضاً، ص ۱۱۲

۱۹۔ ایضاً، ص ۲۶۴ ۲۰۔ ایضاً، ص ۲۶۷، ۲۶۸

۲۱۔ ایضاً، ص ۲۶۸ ۲۲۔ ایضاً، ص ۲۸۲

۲۳۔ ایضاً، ص ۳۰۰، ۳۰۱ ۲۴۔ ایضاً، ص ۳۲۰

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ سرسید احمد خان، ''آثار الصنادید (جلد اوّل)''، دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، ۲۰۰۳ء، ص ۱۹۳

۲۷۔ حیرت دہلوی، مرزا، ''چراغ دہلی''، ص ۳۴۹

۲۸۔ ایضاً، ص ۴۴۷ ۲۹۔ ایضاً، ص ۴۴۹

۳۰۔ ایضاً، ص ۴۵۴، ۴۵۵ ۳۱۔ ایضاً، ص ۵۳۵

۳۲۔ سرسید، ''مقالات سرسید (حصہ ششم: تاریخ مضامین)''، لاہور: مجلس ترقی ادب، اگست ۱۹۶۲ء، ص ۳۱۵